پیش لفظ

عہدِ سرسید کو ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی کا عہد کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں مسلمان سیاسی اور اقتصادی طور پر پوری طرح برباد ہو چکے تھے۔ اور مغلیہ سلطنت کا سورج بھی غروب ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانی ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہوئے۔ خاص طور سے مسلمانوں کے لیے یہ پُر آشوب دور تھا۔ حکومت چھن چکی تھی۔ قدیم نظام پارہ پارہ ہو چکا تھا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ اس دور میں سرسید نے مسلمانوں کی فکری رہنمائی کا منصب قبول کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نئے عہد کے تقاضوں سے باخبر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ سرسید کی ان ہی کوششوں کو ہم علی گڑھ تحریک یا سرسید تحریک کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ کثیر المقاصد تحریک تھی جس نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ اس تحریک نے اردو زبان وادب کی ترقی واشاعت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اس عہد میں موضوع اور اسلوب دونوں لحاظ سے اردو نثر کو فروغ حاصل ہوا۔ سرسید نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ ہمیں نئے نئے موضوعات اور مضامین پر اظہار خیال کرنا چاہیے۔ انھوں نے مضمون نگاری کی اہمیت بتائی۔ خود بھی مضامین لکھے اور اپنے رفقا کو بھی مضمون نگاری کی طرف مائل کیا۔ اس کے علاوہ اس دور میں ادبی موضوعات پر مستقل تصانیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ ان میں سے ایک سوانح نگاری بھی ہے۔

اردو میں عہدِ سرسید سے قبل باقاعدہ سوانح نگاری نظر نہیں آتی ہے۔ تذکروں میں شعرا کے حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' (۱۸۸۱ء) میں شخصی مرقعے نظر آتے ہیں۔ لیکن باقاعدہ سوانح نگاری حالی اور شبلی سے شروع ہوتی ہے۔

حالی اردو کے پہلے سوانح نگار ہیں۔ ان کی تین سوانح عمریاں ''حیاتِ سعدی'' (۱۸۸۶ء)، ''یادگارِ غالب'' (۱۸۹۶ء) اور ''حیاتِ جاوید'' (۱۹۰۱ء) یکے بعد دیگرے شائع ہوئیں۔ یہ کتابیں صرف

سوانح نہیں، ان سے حالؔی کے تنقیدی شعور کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

عہدِ سرسید کے دوسرے بڑے سوانح نگار شبلؔی ہیں۔ انھوں نے تاریخ اسلام کی مقتدر ہستیوں کو اپنا موضوع بنایا۔ المامون (۱۸۸۹ء)، سیرۃ النعمان (۱۸۹۳ء)، حیاتِ خسرو (۱۸۹۶ء)، سعدی شیرازی (۱۸۹۶ء)، الفاروق (۱۸۹۸ء)، الغزالی (۱۹۰۲ء)، سوانح مولانا روم (۱۹۰۲ء)، سیرۃ النبی ﷺ (۱۹۱۰ء)، وغیرہ ان کی قابلِ ذکر سوانح عمریاں ہیں۔

عہدِ سرسید کی بعض دیگر سوانح عمریاں بھی قابلِ ذکر ہیں۔ خود سرسید نے اپنے نانا خواجہ فریدالدین کی سوانح ''سیرتِ فریدیہ'' (۱۸۹۶ء) لکھی تھی۔ اس کے علاوہ اس دور کی ایک اور اہم سوانح عمری مولوی عبدالرزاق کانپوری کی ''البرامکہ'' (۱۸۹۷ء) ہے۔

تاریخی، ادبی اور علمی لحاظ سے یہ تمام سوانح عمریاں قابلِ قدر ہیں۔ اس دور کی سوانح عمریوں کے مطالعے سے اس عہد کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری صورتِ حال کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لیے میں نے ''عہدِ سرسید میں سوانح نگاری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' کو اپنے تحقیقی مقالے کا موضوع منتخب کیا ہے۔ یہ مقالہ درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب ''**سوانح نگاری کا فن**'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں سوانح نگاری کی تعریف، معانی، مفہوم اور خصوصیات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں سوانح، تاریخ اور خودنوشت کی مختصر تعریف کے ساتھ ان کے بنیادی فرق کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد پس منظر کے طور پر عربی و فارسی سوانح نگاری کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اردو سوانح نگاری کے سلسلے میں دکن کے بعد شمالی ہند کے تذکروں اور دیگر سوانحی تصانیف کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتے ہوئے حالی اور شبلی کی سوانح نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا باب ''**سرسید اور ان کے رفقا: ایک تعارف**'' ہے اس باب میں سرسید اور ان کے رفقا کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حالی اور شبلی کی ادبی

خدمات کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرا باب ''**عہدِ سرسید کے اہم سوانح نگار**'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں حالؔی، شبلؔی اور ان کے معاصرین کی سوانح عمریوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے بعد عہدِ سرسید کی دیگر سوانح عمریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھا باب ''**حالی کی سوانح نگاری**'' کے عنوان سے ہے۔ حالؔی اردو کے پہلے با ضابطہ سوانح نگار ہیں۔ انھوں نے حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید جیسی سوانح عمریاں لکھ کر اس صنف کو متعارف کرایا۔اس باب میں حالؔی کی تینوں سوانح عمریوں کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچواں باب ''**شبلی کی سوانح نگاری**'' ہے۔اس باب میں شبلی کی سوانح نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے اسلوبِ نگارش پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔

آخر میں ''**خلاصۂ کلام**'' کے عنوان سے مقالے کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے اور حالؔی و شبلؔی اور ان کے معاصرین کے بعد کی سوانح عمریوں کا مختصر جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

آخر میں کتابیات کے تحت بنیادی اور ثانوی ماخذ کے طور پر استعمال شدہ تمام کتب کو شامل کیا گیا ہے۔

اللہ کا شکر کہ یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔شکر خدا کے بعد سب سے پہلے میں استادِ محترم پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے اس طویل عرصے میں ہر گام پر میری رہنمائی فرمائی۔ نہ صرف یہ کہ تحقیقی اور ادبی کاموں میں ان کا تعاون حاصل رہا بلکہ امور زندگی میں بھی ان کے مشورے میری تربیت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔

اس موقع پر مجھے سب سے زیادہ اپنے بیمار والدین اور گھر والے یاد آتے ہیں جن کی قربانیوں کی وجہ سے آج تعلیم کا یہ مرحلہ اپنی انتہا کو پہنچا۔ان کے بعد میں اپنے ماموں، ممانی، سمن، شاہ زیب، شکیب، انجم عالم، اور شاہ ممتاز کا احسان مند ہوں جنھوں نے ہر دشوار گزار مرحلے پر میرا بے حد خیال رکھا۔

صدرِ شعبہ اردو پروفیسر سید محمد ہاشم اور اساتذہ کرام پروفیسر ظفر احمد صدیقی، پروفیسر طارق چھتاری، پروفیسر صغیر افراہیم، پروفیسر امین اشرف، اور ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب صاحبان کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً میری حوصلہ افزائی کی۔

اس کے علاوہ میں مولانا آزاد لائبریری کے اردو سیکشن کے باقر بھائی، محسن بھائی اور سیمینار لائبریری شعبہ اردو کے جاوید بھائی، ندیم بھائی کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے کتابوں کی فراہمی میں میری مدد کی۔ میں طیب بھائی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس مقالے کی عمدہ کمپوزنگ کی۔

میں شعبۂ اردو کے تمام ریسرچ اسکالرز کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، جنھوں نے میرے اس کام کی تکمیل میں ہر لمحہ میری مدد کی۔ میں اپنے تمام احباب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

محمد مسیح الرحمٰن